سُورۃ الطّارق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ؕ

اگر یہ سوال ہو کہ قرآن کریم میں اِس بات کی کہاں تشریح یا اشارہ ہے کہ رُوح القدس مقربوں میں ہمیشہ رہتا ہے اور ان سے جُدا نہیں ہوتا تو اس کا یہ جواب ہے کہ سارا قرآن کریم ان تصریحات اور اشارات سے بھرا پڑا ہے بلکہ وہ ہر یک مومن کو رُوح القدس ملنے کا وعدہ دیتا ہے چنانچہ منجملہ اُن آیات کے جو اس بارہ میں کُھلے کُھلے بیان سے ناطق ہیں سورۃ الطّارق کی پہلی دو آیتیں ہیں اور وہ یہ ہیں وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ۔ النَّجۡمُ الثَّاقِبُ۔ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ۔ یہ آخری آیت یعنی اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ جس کے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک نفس پر ایک فرشتہ نگہبان ہے یہ صاف دلالت کر رہی ہے کہ جیسا کہ انسان کے ظاہر وجود کے لئے فرشتہ مقرر ہے جو اس سے جُدا نہیں ہوتا ویسا ہی اسکے باطن کی حفاظت کے لئے بھی مقرر ہے جو باطن کو شیطان سے روکتا ہے اور گمراہی کی ظلمت سے بچاتا ہے اور وہ رُوح القدس ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں پر شیطان کا تسلّط ہونے نہیں دیتا اور اسی کی طرف یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے کہ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ[1]۔ اب دیکھو کہ یہ آیت کیسی صریح طور پر بتلا رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا فرشتہ انسان کی حفاظت کے لئے ہمیشہ اور ہر دم اس کے ساتھ رہتا ہے اور ایک

---

[1] سورۃ الحجر: ۴۳

دَم بھی اُس سے جُدا نہیں ہوتا۔ کیا اِس جگہ یہ خیال آسکتا ہے کہ انسان کی ظاہر کی نگہبانی کے لئے تو دائمی طور پر فرشتہ مقرر ہے لیکن اس کی باطن کی نگہبانی کے لئے کوئی فرشتہ دائمی طور پر مقرر نہیں بلکہ متعصب سے متعصب انسان سمجھ سکتا ہے کہ باطن کی حفاظت اور رُوح کی نگہبانی جسم کی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ جسم کی آفت تو اِسی جہان کا ایک دُکھ ہے لیکن رُوح اور نفس کی آفت جہنم ابدی میں ڈالنے والی چیز ہے۔ سو جس خدائے رحیم وکریم کو انسان کے اِس جسم پر بھی رحم ہے جو آج ہے اور کل خاک ہو جائے گا اُس کی نسبت کیونکر گمان کر سکتے ہیں کہ اس کو انسان کی رُوح پر رحم نہیں۔ پس اِس نصِ قطعی اور یقینی سے ثابت ہے کہ رُوح القدس یا یُوں کہو کہ اندرُونی نگہبانی کا فرشتہ ہمیشہ نیک انسان کے ساتھ ایسا ہی رہتا ہے جیسا کہ اس کی بیرونی حفاظت کے لئے رہتا ہے۔

اِس آیت کے ہم مضمون قرآن کریم میں اَور بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی تربیت اور حفاظتِ ظاہری و باطنی کے لئے اور نیز اس کے اعمال کے لکھنے کے لئے ایسے فرشتے مقرر ہیں کہ جو دائمی طور پر انسانوں کے پاس رہتے ہیں چنانچہ منجملہ ان کے یہ آیات ہیں وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ[1]۔ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً[2]۔ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ[3]۔ ترجمہ اِن آیات کا یہ ہے کہ تم پر حفاظت کرنے والے مقرر ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو بھیجتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے چوکیدار مقرر ہیں جو اسکے بندوں کی ہر طرف سے یعنی کیا ظاہری طور پر اور کیا باطنی طور پر حفاظت کرتے ہیں۔ اِس مقام میں صاحبِ معالم نے یہ حدیث لکھی ہے کہ ہر یک بندہ کے لئے ایک فرشتہ موکل ہے جو اس کے ساتھ ہی رہتا ہے اور اس کی نیند اور بیداری میں شیاطین اور دوسری بلاؤں سے اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ اور اِس مضمون کی ایک اَور حدیث کعب الاحبار سے بیان کی ہے۔ اور ابنِ جریر اِس آیت کی تائید میں یہ حدیث لکھتا ہے اِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَ الْخَلَاءِ وَعِنْدَ الْجِمَاعِ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَاَكْرِمُوْهُمْ۔ یعنی تمہارے ساتھ وہ فرشتے ہیں کہ بجز جماع اور پاخانہ کی حاجت کے تم سے جُدا نہیں ہوتے۔ سو تم ان سے شرم کرو اور ان کی تعظیم کرو۔ اور اِس جگہ عکرمہ سے یہ حدیث لکھی ہے کہ ملائک ہر یک شر سے بچانے کے لئے اِنسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور جب تقدیرِ مُبرم نازل ہو تو الگ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر مجاہد سے نقل کیا ہے کہ کوئی ایسا انسان نہیں جس کی حفاظت کے لئے دائمی طور پر ایک فرشتہ مقرر نہ ہو۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۷۶ تا ۸۰)

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ۔ النَّجْمُ الثَّاقِبُ۔ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ۔

اِن آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ قسم ہے آسمان کی اور اس کی جو رات کو آنے والا ہے۔ اور تجھے کیا خبر ہے کہ رات

---

[1] سورۃ الانفطار: ۱۱ [2] سورۃ الانعام: ۶۲ [3] سورۃ الرعد: ۱۲

کو آنے والی کیا چیز ہے ؟ وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے اور قسم اِس بات کے لئے ہے کہ ایک بھی ایسا جی نہیں کہ جو اس پر نگہبان نہ ہو۔یعنی ہر ایک نفس پر نفوس مخلوقات میں سے ایک فرشتہ موکّل ہے جو اس کی نگہبانی کرتا ہے اور ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔خدا تعالیٰ نے جو اِس آیت کو کُلّی طور پر یعنی کُلّ کے لفظ سے مقید کرکے بیان فرمایا ہے۔اِس سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ ہر یک چیز جس پر نفس کا نام اطلاق پاسکتا ہے اس کی فرشتے حفاظت کرتے ہیں۔پس بموجب اِس آیت کے نفوس کواکب کی نسبت بھی یہ عقیدہ رکھنا پڑا کہ کُل ستارے کیا سورج کیا چاند کیا زحل کیا مُشتری ملائک کی زیر حفاظت ہیں یعنی ہر یک کے لئے سورج اور چاند وغیرہ میں سے ایک ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے کاموں کو احسن طور پر چلاتا ہے۔

اِس جگہ کئی اعتراض پیدا ہوتے ہیں جن کا دفعہ کرنا ہمارے ذمّہ ہے۔ازاں جملہ ایک یہ کہ جس حالت میں رُوح القدس صرف ان مقرّبوں کو ملتا ہے کہ جو بقا اور لقا کے مرتبہ تک پہنچتے ہیں تو پھر ہر ایک کا نگہبان کیونکر ہوسکتا ہے۔اِس کا جواب یہ ہے کہ رُوح القدس کا کامل طور پر نزول مقرّبوں پر ہی ہوتا ہے مگر اِس کی فی الجملہ تائید حسب مراتب محبّت و اخلاص دوسروں کو بھی ہوتی ہے۔ہماری تقریر مندرجہ بالا کا صرف یہ مطلب ہے کہ رُوح القدس کی اعلیٰ تجلّی کی یہ کیفیت ہے کہ جب بقا اور لقا کے مرتبہ پر محبّتِ الٰہی انسان کی محبّت پر نازل ہوتی ہے تو یہ اعلیٰ تجلّی روح القدس کی اُن دونوں محبّتوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے جس کے مقابل پر دوسری تجلّیات کالعدم ہیں مگر یہ تو نہیں کہ دوسری تجلّیات کا وجود ہی نہیں۔خدا تعالیٰ ایک ذرّہ محبّتِ خالصہ کو بھی ضائع نہیں کرتا۔انسان کی محبّت پر اُس کی محبّت نازل ہوتی ہے اور اُسی مقدار پر رُوح القدس کی چمک پیدا ہوتی ہے۔یہ خدا تعالیٰ کا ایک بندھا ہوا قانون ہے کہ ہر یک محبّت کے اندازہ پر الٰہی محبّت نزول کرتی رہتی ہے اور جب انسانی محبّت کا ایک دریا بہہ نکلتا ہے تو اُس طرف سے بھی ایک دریا نازل ہوتا ہے اور جب وہ دونوں دریا ملتے ہیں تو ایک عظیم الشّان نور ان میں سے پیدا ہوتا ہے جو ہماری اصطلاح میں رُوح القدس سے موسوم ہے لیکن جیسے تم دیکھتے ہو کہ اگر بیس سیر پانی میں ایک ماشہ مصری ڈال دی جائے تو کچھ بھی مصری کا ذائقہ معلوم نہیں ہوگا اور پانی پھیکے کا پھیکا ہی ہوگا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ مصری اس میں نہیں ڈالی گئی اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پانی میٹھا ہے یہی حال اُس رُوح القدس کا ہے جو ناقص طور پر ناقص لوگوں پر اُترتا ہے۔اُس کے اُترنے میں تو شک نہیں ہوسکتا کیونکہ اَدنیٰ سے اَدنیٰ آدمی کو بھی نیکی کا خیال رُوح القدس سے پیدا ہوتا ہے کبھی فاسق اور فاجر اور بدکار بھی سچّی خواب دیکھ لیتا ہے اور یہ سب رُوح القدس کا اثر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ نبویہ سے ثابت ہے مگر وہ تعلقِ عظیم جو مقدّسوں اور مقرّبوں کے ساتھ ہے اس کے مقابل پر یہ کچھ چیز نہیں گویا کالعدم ہے۔

ازاں جملہ ایک یہ سوال ہے کہ جس حالت میں رُوح القدس انسان کو بدیوں سے روکنے کے لئے مقرر ہے تو پھر اس سے گناہ کیونکر سرزد ہوتا ہے اور انسان کفر اور فسق اور فجور میں کیوں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے ابتلاء کے طور پر دو روحانی داعی مقرر کر رکھے ہیں۔ ایک داعی خیر جس کا نام رُوح القدس ہے اور ایک داعی شر جس کا نام ابلیس اور شیطان ہے۔ یہ دونوں داعی صرف خیر یا شر کی طرف بُلاتے رہتے ہیں مگر کسی بات پر جبر نہیں کرتے جیسا کہ اِس آیتِ کریمہ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا[1] یعنی خدا بدی کا بھی الہام کرتا ہے اور نیکی کا بھی۔ بدی کے الہام کا ذریعہ شیطان ہے جو شرارتوں کے خیالات دِلوں میں ڈالتا ہے اور نیکی کے الہام کا ذریعہ رُوح القدس ہے جو پاک خیالات دِل میں ڈالتا ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ علّت العلل ہے اِس لئے یہ دونوں الہام خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کر لئے کیونکہ اسی کی طرف سے یہ سارا انتظام ہے ورنہ شیطان کیا حقیقت رکھتا ہے جو کسی کے دل میں وسوسہ ڈالے اور رُوح القدس کیا چیز جو کسی کو تقویٰ کی راہوں کی ہدایت کرے۔ ہمارے مخالف آریہ اور برہمو اور عیسائی اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے قرآن کریم کی تعلیم پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اِس تعلیم کی رُو سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے دانستہ انسان کے پیچھے شیطان کو لگا رکھا ہے گویا اس کو آپ ہی خلق اللہ کا گمراہ کرنا منظور ہے مگر یہ ہمارے شتاب کار مخالفوں کی غلطی ہے۔ ان کو معلوم کرنا چاہیئے کہ قرآن کریم کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ شیطان گمراہ کرنے کے لئے جبر کر سکتا ہے اور نہ یہ تعلیم ہے کہ صرف بدی کی طرف بُلانے کے لئے شیطان کو مقرر کر رکھا ہے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ آزمائش اور امتحان کی غرض سے للہ ملک اور للہ ابلیس برابر طور پر انسان کو دئے گئے ہیں یعنی ایک داعی خیر اور ایک داعی شر۔ تا انسان اس ابتلاء میں پڑ کر مستحق ثواب یا عقاب کا ٹھہر سکے کیونکہ اگر اس کے لئے ایک ہی طور کے اسباب پیدا کئے جاتے مثلاً اگر اس کے بیرونی اور اندرونی اسباب جذبات فقط نیکی کی طرف ہی اُس کو کھینچتے یا اس کی فطرت ہی ایسی واقع ہوتی کہ وہ بجز نیکی کے کاموں کے اَور کچھ کر ہی نہ سکتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ نیک کاموں کے کرنے سے اس کو کوئی مرتبہ قُرب کا مِل سکے کیونکہ اس کے لئے تو تمام اسباب و جذبات نیک کام کرنے کے ہی موجود ہیں یا یہ کہ بدی کی خواہش تو ابتداء سے ہی اس کی فطرت سے مسلوب ہے تو پھر بدی سے بچنے کا اس کو ثواب کس استحقاق سے ملے۔ مثلاً ایک شخص ابتداء سے ہی نامرد ہے جو عورت کی کچھ خواہش نہیں رکھتا۔ اب اگر وہ ایک مجلس میں یہ بیان کرے کہ مَیں فلاں وقت جواں عورتوں کے ایک گروہ میں رہا جو خوبصورت بھی تھیں مگر مَیں ایسا پرہیزگار رہوں کہ مَیں نے ان کو شہوت کی نظر سے ایک دفعہ بھی نہیں دیکھا اور خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہا تو

---

[1] سورۃ الشمس ۹ ۱

کچھ شک نہیں کہ سب لوگ اس کے اس بیان پر ہنسیں گے اور طنز سے کہیں گے کہ اے نادان کب اور کس وقت تجھ میں یہ قوت موجود تھی تا اُس کے روکنے پر تُو فخر کر سکتا یا کسی ثواب کی امید رکھتا۔ پس جاننا چاہیئے کہ سالک کو اپنی ابتدائی اور درمیانی حالات میں تمام امیدیں ثواب کی مخالفانہ جذبات سے پیدا ہوتی ہیں اور اِن منازلِ سلوک میں جن امور میں فطرت ہی سالک کی ایسی واقع ہو کہ اُس قسم کی بدی وہ کر ہی نہیں سکتا تو اِس قسم کے ثواب کا بھی وہ مستحق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ہم بچھو اور سانپ کی طرح اپنے وجود میں ایک ایسی زہر نہیں رکھتے جس کے ذریعہ سے ہم کسی کو اس قسم کی ایذا پہنچا سکیں جو کہ سانپ اور بچھو پہنچاتے ہیں۔ سو ہم اس قسم کی ترکِ بدی میں عنداللہ کسی ثواب کے مستحق بھی نہیں۔

اَب اِس تحقیق سے ظاہر ہُوا کہ مخالفانہ جذبات جو انسان میں پیدا ہو کر انسان کو بدی کی طرف کھینچتے ہیں درحقیقت وہی انسان کے ثواب کا بھی موجب ہیں کیونکہ جب وہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر اُن مخالفانہ جذبات کو چھوڑ دیتا ہے تو عنداللہ بلاشُبہ تعریف کے لائق ٹھہر جاتا ہے اور اپنے رَبّ کو راضی کر لیتا ہے۔ لیکن جو شخص انتہائی مقام کو پہنچ گیا ہے اُس میں مخالفانہ جذبات نہیں رہتے گویا اُس کا جنّ مسلمان ہو جاتا ہے مگر ثواب باقی رہ جاتا ہے کیونکہ وہ ابتلاء کے منازل کو بڑی مردانگی کے ساتھ طے کر چکا ہے جیسے ایک صالح آدمی جس نے بڑے بڑے نیک کام اپنی جوانی میں کئے ہیں اپنی پیرانہ سالی میں بھی اُن کا ثواب پاتا ہے۔

ازاں جملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ خدا تعالیٰ کو فرشتوں سے کام لینے کی کیا حاجت ہے۔ کیا اُس کی بادشاہی بھی انسانی سلطنتوں کی طرح عملہ کی محتاج ہے اور اُس کو بھی فوجوں کی حاجت تھی جیسے انسان کو حاجت ہے۔ اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ خدا تعالیٰ کو کسی چیز کی حاجت نہیں نہ فرشتوں کی نہ آفتاب کی نہ ماہتاب کی نہ ستاروں کی لیکن اِسی طرح اُس نے چاہا کہ تا اُس کی قدرتیں اسباب کے توسّط سے ظاہر ہوں اور تا اِسی طرز سے انسانوں میں حکمت اور علم پھیلے۔ اگر اسباب کا توسّط درمیان نہ ہوتا تو نہ دُنیا میں علمِ ہیئت ہوتا نہ نجوم نہ طبعی نہ طبابت نہ علمِ نباتات۔ یہ اسباب ہی ہیں جن سے علم پیدا ہوئے۔ تم سوچ کر دیکھو کہ اگر فرشتوں سے خدمت لینے سے کچھ اعتراض ہے تو وہی اعتراض سورج اور چاند اور کواکب اور نباتات اور جمادات اور عناصر سے خدمت لینے میں پیدا ہوتا ہے۔ جو شخص معرفت کا کچھ حصّہ رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ہر یک ذرّہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے موافق کام کر رہا ہے اور ایک قطرہ پانی کا جو ہمارے اندر جاتا ہے وہ بھی بغیر اذنِ الٰہی کے کوئی تاثیر موافق یا مخالف ہمارے بدن پر ڈال نہیں سکتا۔ پس تمام ذرّات اور سیارات وغیرہ درحقیقت ایک قسم کے فرشتے ہیں جو دن رات خدمت میں مشغول ہیں۔ کوئی انسان کے جسم کی خدمت میں مشغول ہے اور کوئی رُوح کی خدمت میں اور جس حکیم مطلق نے اِنسان کی جسمانی تربیت کے لئے بہت سے اسباب کا توسّط پسند کیا اور اپنی طرف سے بہت سے

جسمانی مؤثرات پیدا کئے تا انسان کے جسم پر انواع واقسام کے طریقوں سے تاثیر ڈالیں۔ اُسی وحدہٗ لاشریک نے جسکے کاموں میں وحدت اور تناسب ہے یہ بھی پسند کیا کہ انسان کی رُوحانی تربیت بھی اسی نظام اور طریق سے ہو کہ جو جسم کی تربیت میں اختیار کیا گیا تا وہ دونوں نظام ظاہری و باطنی اور رُوحانی اور جسمانی اپنے تناسب اور یک رنگی کی وجہ سے صانع واحد مدبّر بالارادہ پر دلالت کریں۔

پس یہی وجہ ہے کہ انسان کی رُوحانی تربیت بلکہ جسمانی تربیت کے لئے بھی فرشتے وسائط مقرر کئے گئے مگر یہ تمام وسائط خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں مجبور اور ایک گل کی طرح ہیں جس کو اُس کا پاک ہاتھ چلا رہا ہے اپنی طرف سے نہ کوئی ارادہ رکھتے ہیں نہ کوئی تصرّف۔ جس طرح ہَوا خدا تعالیٰ کے حکم سے ہمارے اندر چلی جاتی ہے اور اُسی کے حکم سے باہر آتی ہے اور اُسی کے حکم سے تاثیر کرتی ہے یہی صورت اور بتمامہٖ یہی حال فرشتوں کا ہے۔ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ[1]۔ پنڈت دیانند نے جو فرشتوں کے اِس نظام پر اعتراض کیا ہے کاش پنڈت صاحب کو خدا تعالیٰ کے نظامِ جسمانی اور رُوحانی کا علم ہوتا تا بجائے اعتراض کرنے کے کمالات تعلیمِ قرآنی کے قائل ہو جاتے کہ کیسی قانونِ قدرت کی صحیح اور سچی تصویر اُس میں موجود ہے۔

ازاں جملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ قرآن کریم کے بعض اشارات اور ایسا ہی بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایام میں جبرائیل کے اُترنے میں کسی قدر توقّف بھی وقوع میں آئی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایامِ بعثت میں یہ بھی اِتفاق ہوا ہے کہ بعض اَوقات کئی دن تک جبرائیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوا۔ اگر حضرت جبرائیل ہمیشہ اور ہر وقت قرینِ دائمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور رُوح القدس کا اثر ہمیشہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پر جاری و ساری تھا تو پھر توقّف نزول کے کیا معنی ہیں۔ اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ ایسا خیال کرنا کہ رُوح القدس کبھی انبیاء کو خالی چھوڑ کر آسمان پر چڑھ جاتا ہے صرف ایک دھوکہ ہے کہ جو بوجہ غلط فہمی نزول اور صعود کے معنوں کے دلوں میں متمکن ہو گیا ہے پوشیدہ نہ رہے کہ نزول کے یہ معنے ہرگز نہیں ہیں کہ کوئی فرشتہ آسمان سے اپنا مقام اور مقر چھوڑ کر زمین پر نازل ہو جاتا ہے۔ ایسے معنے تو صریح نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ کے مخالف ہیں چنانچہ فتح البیان میں ابنِ جریر سے بروائت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث مروی ہے قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فِي السَّمَآءِ مَوْضِعُ قَدَمٍ اِلَّا عَلَيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ اَوْ قَائِمٌ وَ ذٰلِكَ قَوْلُ الْمَلٰٓئِكَةِ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان پر ایک قدم کی بھی ایسی جگہ خالی نہیں

---

[1] سورۃ النحل: ۵۱

جس میں کوئی فرشتہ ساجد یا قائم نہ ہو اور یہی معنے اِس آیت کے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک شخص ایک مقامِ معلوم یعنی ثابت شدہ رکھتا ہے جس سے ایک قدم اُوپر یا نیچے نہیں آسکتا۔ اَب دیکھو اِس حدیث سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ فرشتے اپنے مقامات کو نہیں چھوڑتے اور کبھی ایسا اِتفاق نہیں ہوتا کہ ایک قدم کی جگہ بھی آسمان پر خالی نظر آوے مگر افسوس کہ بطالوی صاحب اور دہلوی شیخ صاحب بھی اَب تک اس زمانہ میں بھی کہ علومِ حسیہ طبعیہ کا فروغ ہے یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ آسمان کا صرف باندازہ ایک قدم خالی رہنا کیا مشکل بات ہے۔ بعض اوقات تو بڑے بڑے فرشتوں کے نزول سے ہزارہا کوس تک آسمان خالی ویران سنسان پڑا رہ جاتا ہے جس میں ایک فرشتہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ جب چھ سو موتیوں کے پَروں والا فرشتہ جس کا طول مشرق سے مغرب تک ہے یعنی جبرائیل زمین پر اپنا سارا وجود لے کر اُتر آیا تو پھر سوچنا چاہیئے کہ ایسے جسیم فرشتہ کے اُترنے سے ہزارہا کوس تک آسمان خالی رہ جائے گا یا اس سے کم ہوگا۔ شیخ الکل کہلانا اور احادیثِ نبویہ کو نہ سمجھنا جائے افسوس اور جائے شرم ہے۔

الغرض جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں یہ بات نہایت احتیاط سے اپنے حافظہ میں رکھ لینی چاہیئے کہ مقربوں کا رُوح القدس کی تاثیر سے علیحدہ ہونا ایک دَم کے لئے بھی ممکن نہیں کیونکہ ان کی نئی زندگی کی رُوح یہی رُوح القدس ہے پھر وہ اپنی رُوح سے کیونکر علیحدہ ہو سکتے ہیں اور جس علیحدگی کا ذکر احادیث اور بعض اشارات قرآن کریم میں پایا جاتا ہے اُس سے مُراد صرف ایک قسم کی تجلّی ہے کہ بعض اَوقات بوجہ مصالح الٰہی اُس قسم کی تجلّی میں کبھی دیر ہو گئی ہے اور اصطلاحِ قرآن کریم میں اکثر نزول سے مُراد وہی تجلّی ہے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۷۶ تا ۹۱ حاشیہ)

ازاں جملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ سورۃ وَالطَّارِق میں خدا تعالیٰ نے غیر اللہ کی قسم کیوں کھائی حالانکہ آپ ہی فرماتا ہے کہ بجز اس کے کسی دوسرے کی قسم نہ کھائی جائے نہ انسان نہ آسمان کی، نہ زمین نہ کسی ستارہ کی نہ کسی اَور کی۔ اور پھر غیر کی قسم کھانے میں خاص ستاروں اور آسمان کی قسم کی خدا تعالیٰ کو اِس جگہ کیا ضرورت آ پڑی۔ سو درحقیقت یہ دو اعتراض ہیں جو ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور بوجہ اُن کے باہمی تعلقات کے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اِن کے جوابات ایک ہی جگہ بیان کئے جائیں۔

سو اوّل قسم کے بارے میں خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی قسموں کا اِنسانوں کی قسموں پر قیاس کر لینا قیاس مع الفارق ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو انسان کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ انسان جب قسم کھاتا ہے تو اس کا مدّعا یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی ہے اس کو ایک ایسے گواہ رویت کا قائم مقام ٹھہراوے کہ جو اپنے ذاتی علم سے اس کے بیان کی تصدیق یا تکذیب کر سکتا ہے کیونکہ اگر سوچ کر

دیکھو تو قسم کا اصل مفہوم شہادت ہی ہے۔ جب انسان معمولی شاہدوں کے پیش کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو پھر قسم کا محتاج ہوتا ہے تا اُس سے وہ فائدہ اُٹھاوے جو ایک شاہد رویت کی شہادت سے اُٹھانا چاہیئے لیکن یہ تجویز کرنا یا اعتقاد رکھنا کہ بجز خدا تعالیٰ کے اَور بھی حاضر ناظر ہے اور تصدیق یا تکذیب یا سزا دہی یا کسی اَور امر پر قادر ہے صریح کلمۂ کفر ہے اِس لئے خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں میں اِنسان کے لئے یہی تعلیم ہے کہ غیر اللہ کی ہرگز قسم نہ کھاوے۔

اَب ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی قسموں کا اِنسان کی قسموں کے ساتھ قیاس درست نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا تعالےٰ کو انسان کی طرح کوئی اَیسی مشکل پیش نہیں آتی کہ جو انسان کو قسم کے وقت پیش آتی ہے بلکہ اُس کا قسم کھانا ایک اَور رنگ کا ہے جو اُس کی شان کے لائق اور اُس کے قانونِ قدرت کے مطابق ہے اور غرض اس سے یہ ہے کہ تا صحیفۂ قدرت کے بدیہات کو شریعت کے اسرارِ دقیقہ کے حل کرنے کے لئے بطور شاہد کے پیش کرے اور چونکہ اس مدعا کو قسم سے ایک مناسبت تھی اور وہ یہ کہ جیسا ایک قسم کھانے والا جب مثلاً خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے تو اُس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ میرے اِس واقعہ پر گواہ ہے۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ کے بعض کُھلے کُھلے افعال بعض چھپے ہوئے افعال پر گواہ ہیں۔ اِسی لئے اُس نے قسم کے رنگ میں اپنے افعالِ بدیہیہ کو اپنے افعالِ نظریہ کے ثبوت میں جا بجا قرآن کریم میں پیش کیا اور اس کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے غیر اللہ کی قسم کھائی کیونکہ وہ درحقیقت اپنے افعال کی قسم کھاتا ہے نہ کسی غیر کی اور اُس کے افعال اُس کے غیر نہیں ہیں۔ مثلاً اُس کا آسمان یا ستارہ کی قسم کھانا اس قصد سے نہیں ہے کہ وہ کسی غیر کی قسم ہے بلکہ اِس نیّت سے ہے کہ جو کچھ اُس کے ہاتھوں کی صنعت اور حکمت آسمان اور ستاروں میں موجود ہے اس کی شہادت بعض اپنے افعالِ خفیہ کے سمجھانے کے لئے پیش کرے سو درحقیقت خدا تعالیٰ کی اِس قسم کی قسمیں جو قرآن کریم میں موجود ہیں بہت سے اسرارِ معرفت سے بھری ہوئی ہیں۔ اور جیسا کہ مَیں ابھی بیان کرچکا ہوں قسم کی طرز پر ان اسرار کا بیان کرنا محض اِس غرض سے ہے کہ قسم درحقیقت ایک قِسم کی شہادت ہے جو شاہد رویت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ کے بعض افعال بھی بعض دوسرے افعال کے لئے بطور شاہد کے واقعہ ہوئے ہیں سو اللہ تعالیٰ قسم کے لباس میں اپنے قانونِ قدرت کے بدیہات کی شہادت اپنی شریعت کے بعض دقائق حل کرنے کے لئے پیش کرتا ہے تا قانونِ قدرت جو خدا تعالیٰ کی ایک فعلی کتاب ہے اس کی قولی کتاب پر شاہد ہو جائے اور تا اس کے قول اور فعل کے باہم مطابقت ہو کر طالبِ صادق کے لئے مزید معرفت اور سکینت اور یقین کا موجب ہو اور یہ ایک عام طریق اللہ جلّ شانہٗ کا قرآن کریم میں ہے کہ اپنے افعالِ قدرتیہ کو جو اُس کی مخلوقات میں باقاعدہ منضبط اور مترتب پائے جاتے ہیں اقوالِ شرعیہ کے حل کرنے کے لئے جا بجا پیش کرتا ہے

تا اِس بات کی طرف لوگوں کو توجہ دلاوے کہ یہ شریعت اور یہ تعلیم اُسی ذات وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہے جس کے ایسے افعال موجود ہیں جو اُس کے اِن اقوال سے مطابقتِ کُلّی رکھتے ہیں کیونکہ اقوال کا افعال سے مطابق آجانا بلاشُبہ اِس بات کا ایک ثبوت ہے کہ جس کے یہ افعال ہیں اُسی کے یہ اقوال ہیں۔

اب ہم نمونہ کے طور پر اُن چند قسموں کی تفصیل لکھتے ہیں جو قرآن کریم میں وارد ہیں چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہی قسم ہے کہ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۔ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۔ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۔ اِن آیات میں اصل مدّعا اور مقصد یہ ہے کہ ہر یک نفس کی رُوحانی حفاظت کے لئے ملائک مقرر ہیں جو ہر دَم اور ہر وقت ساتھ رہتے ہیں اور جو حفاظت کا طالب ہو اس کی حفاظت کرتے ہیں لیکن یہ بیان ایک باریک اور نظری ہے۔ فرشتوں کا وجود خود ہی غیر مرئی ہے پھر ان کی حفاظت پر کیونکر یقین آوے اِسلئے خداوند کریم وحکیم نے اپنے قانونِ قدرت کو جو اجرامِ سماوی میں پایا جاتا ہے اِس جگہ قَسم کے پیرایہ میں بطور شاہد کے پیش کیا اور وہ یہ ہے کہ قانونِ قدرت خدا تعالیٰ کا صاف اور صریح طور پر نظر آتا ہے کہ آسمان اور جو کچھ کواکب اور شمس اور قمر اور جو کچھ اُس کے پول میں ہَوا وغیرہ موجود ہے یہ سب اِنسان کے لئے جسمانی خدمات میں لگے ہوئے ہیں اور طرح طرح کے جسمانی نقصانوں اور حَرجوں اور تکلیفوں اور تنگیوں سے بچاتے ہیں اور اُس کے جسم اور جسمانی قویٰ کے کُل مایحتاج کو طیار کرتے ہیں خاص کر رات کے وقت جو ستارے پیدا ہوتے ہیں جنگلوں اور بیابانوں میں چلنے والے اور سمندروں کی سَیر کرنے والے اُن چمکدار ستاروں سے بڑا ہی فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اندھیری رات کے وقت ہر یک نجمِ ثاقب رہنمائی کرکے جان کی حفاظت کرتا ہے اور اگر یہ محافظ نہ ہوں جو اپنے اپنے وقت میں شرطِ حفاظت بجا لا رہے ہیں تو انسان ایک طرفۃ العین کے لئے بھی زندہ نہ رہ سکے۔ سوچ کر جواب دینا چاہیئے کہ کیا ہم بغیر اُن تمام محافظوں کے کہ کوئی ہمارے لئے حرارتِ مطلوبہ طیار رکھتا ہے اور کوئی اناج اور پھل پکاتا ہے اور کوئی ہمارے پینے کے لئے پانیوں کو برساتا ہے اور کوئی ہمیں روشنی بخشتا ہے اور کوئی ہمارے تنفّس کے سلسلہ کو قائم رکھتا ہے اور کوئی ہماری قوّتِ شنوائی کو مدد دیتا ہے اور کوئی ہماری حرارتِ غریزی پر صحت کا اثر ڈالتا ہے زندہ رہ سکتے ہیں۔ اب اسی سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ جس خداوند کریم وحکیم نے یہ ہزارہا اجرامِ سماوی وعناصر وغیرہ ہمارے اجسام کی درستی اور قائمی کے لئے پیدا کئے اور دن رات بلکہ ہر دَم اُن کی خدمت میں لگا دیا ہے کیا وہ ہماری رُوحانی حفاظت کے انتظام سے غافل رہ سکتا تھا اور کیونکر ہم اس کریم ورحیم کی نسبت ظنّ کر سکتے ہیں کہ ہمارے جسم کی حفاظت کے لئے تو اُس نے اِس قدر سامان پیدا کر دیا کہ ایک جہان ہمارے لئے خادم بنا دیا لیکن ہماری رُوحانی حفاظت کے لئے کچھ بندوبست نہ فرمایا۔

اَب اگر ہم انصاف سے سوچنے والے ہوں تو اِسی سے ایک مُحکم دلیل مِل سکتی ہے کہ بے شک رُوحانی حفاظت کے لئے بھی حکیمِ مطلق نے کوئی ایسا اِنتظام مقرر کیا ہوگا کہ جو جسمانی اِنتظام سے مشابہ ہوگا سو وہ ملایک کا حفاظت کے لئے مقرر کرنا ہے۔

سو اِسی غرض سے خدا تعالیٰ نے یہ قسم آسمان اور ستاروں کی کھائی تا ملائک کی حفاظت کے مسئلے کو جو ایک مخفی اور نظری مسئلہ ہے نجوم وغیرہ کی حفاظت کے انتظام سے جو ایک بدیہی امر ہے بخوبی کھول دیوے اور ملائک کے وجود کے ماننے کے لئے غور کرنے والوں کے آگے اپنے ظاہر انتظام کو رکھ دیوے جو جسمانی انتظام ہے تا عقلِ سلیم جسمانی انتظام کو دیکھ کر اُسی نمونہ پر رُوحانی انتظام کو بھی سمجھ لیوے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۹۴ تا ۱۰۲ حاشیہ)

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ۔ اگرچہ ملائک جسمانی آفات سے بھی بچاتے ہیں لیکن ان کا بچانا رُوحانی طور پر ہی ہے۔ مثلاً ایک شخص ایک گرنے والی دیوار کے نیچے کھڑا ہے تو یہ تو نہیں کہ فرشتہ اپنے ہاتھوں سے اُٹھا کر اُس کو دُور لے جائے گا بلکہ اگر اس شخص کا اُس دیوار سے بچنا مقدر ہے تو فرشتہ اُس کے دِل میں الہام کر دے گا کہ یہاں سے جلد کھسکنا چاہیئے لیکن ستاروں اور عناصر وغیرہ کی حفاظت جسمانی ہے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام نوٹ بر صفحہ ۹۹)

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ فِيْ كِتَابِهِ الْمُحْكَمِ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ، فَلَمَّا كَانَتِ الْمَلَائِكَةُ حَافِظِيْنَ لِنُفُوْسِ النُّجُوْمِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالْاَفْلَاكِ وَالْعَرْشِ وَكُلِّ مَا فِي الْاَرْضِ لَزِمَ اَنْ لَّا يُفَارِقُوْا مَا يَحْفَظُوْنَهٗ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَانْظُرْ كَيْفَ ظَهَرَ مِنْ هٰذَا الْاَمْرِ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا زَعَمَ الزَّاعِمُوْنَ مِنْ نُّزُوْلِهِمْ وَصُعُوْدِهِمْ بِاَجْسَامِهِمِ الْاَصْلِيَّةِ فَلَا مَفَرَّ اِلٰى سَبِيْلٍ مِنْ قَبُوْلِ دَقِيْقَةِ الْمَعْرِفَةِ الَّتِيْ كَتَبْنَاهَا اَعْنِيْ اَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا يَنْزِلُوْنَ بِنُزُوْلٍ حَقِيْقِيٍّ وَلَا يَرَوْنَ وَعْثَاءَ السَّفَرِ بَلْ

ترجمہ از مرتّب:۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا ہے کہ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ یعنی خدا کی طرف سے ہر نفس پر ایک محافظ مقرر ہے اور جب فرشتے ستاروں، سُورج، چاند، افلاک اور عرش اور جو کچھ زمین میں ہے ان کے محافظ ہیں تو یہ بات لازم آئی کہ وہ جن چیزوں کی حفاظت کر رہے ہیں ان سے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی علیحدہ نہ ہوں۔ پس دیکھو کہ کس طرح اِس آیت سے حق واضح ہو گیا ہے اور ان لوگوں کا خیال جو فرشتوں کے نزول اور صعود کو ان کے اصلی وجود کے ساتھ قرار دیتے ہیں غلط ثابت ہو گیا۔ پس اِس دقیقۂ معرفت کو قبول کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں جسے ہم نے لکھا ہے یعنی یہ کہ ملائکہ حقیقی طور پر زمین پر نہیں اُترتے اور نہ وہ سفر کی مشقّت کو برداشت کرتے ہیں

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ إِرَاءَتَهُمْ فِي النَّاسُوْتِ فَيَخْلُقُ لَهُمْ وُجُوْدًا تَمْثِيْلِيًّا فِي الْأَرْضِ فَتَرَاهُمُ الْعَيْنُ الَّتِيْ تَسْرَحُ فِيْ رَوْضَاتِ الْكَشْفِ، وَلَوْلَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ لَلَزِمَ أَنْ يَرَى الْمَلَائِكَةَ النَّاسُ كُلُّهُمْ عِنْدَ نُزُوْلِهِمْ إِلَى الْأَرْضِ لِقَبْضِ الْأَرْوَاحِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْمُهِمَّاتِ وَلَلَزِمَ أَنْ يَرَى مَلَكَ الْمَوْتِ مَثَلًا كُلُّ مَنْ تُوُفِّيَ أَحَدٌ مِنْ أَقَارِبِهِ وَمِمَّنْ يُؤَاخِيْهِ وَمِنْ عَشِيْرَتِهِ وَعَقِبِهِ وَقَوْمِهِ وَأَصْدِقَائِهِ أَمَامَ عَيْنِهِ فَإِنَّ جِسْمَ الْمَلَائِكَةِ جِسْمٌ كَأَجْسَامٍ أُخْرٰى فَلَا وَجْهَ لِعَدَمِ رُؤْيَتِهِمْ مَعَ نُزُوْلِهِمْ بِأَجْسَامِهِمُ الْأَصْلِيَّةِ وَأَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ خَلْقًا كَثِيْرًا يَمُوْتُوْنَ أَمَامَ أَعْيُنِنَا فَلَا تَرَى عِنْدَ نَزْعِهِمْ وَغَمْرَةِ مَوْتِهِمُ الْمَلَائِكَةَ الَّتِيْ تَوَفَّتْهُمْ وَمَا نَسْمَعُ مَا يَسْئَلُوْنَ الْمَوْتٰى وَمَا يُكَلِّمُوْنَهُمْ۔ (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۶۷)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ

إِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۙ إِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۙ

وَّأَكِيْدُ كَيْدًا ۚ

وَالْقَوْلُ الْجَامِعُ الْمُفِيْمِنُ الَّذِيْ يَهْدِيْ إِلَى الْحَقِّ وَيَحْكُمُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا آيَةٌ جَلِيْلَةٌ

بلکہ جب اللہ تعالیٰ عالمِ انسانیت میں ان کو دکھانے کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے لئے ایک تمثیلی وجود زمین میں پیدا کر دیتا ہے تب ان کو وہ آنکھ ہی دیکھ پاتی ہے جو کشف کے باغات میں پھرتی رہتی ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو لازم آتا کہ تمام لوگ ملائکہ کو ان کے نزول کے وقت دیکھتے جب وہ زمین پر قبض ارواح کے لئے اور دوسری مہمّات کو سر کرنے کے لئے آتے ہیں۔ پھر اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ مثلاً جب ملک الموت کسی کو وفات دینے کے لئے آتا ہے تو متوفّی کے اقارب، بھائی بند اور اولاد اور اس کی قوم کے لوگ اور اسکے دوست اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے کیونکہ ان کے نزدیک فرشتوں کے اجسام دوسرے اجسام کی طرح ہی ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے اصلی اجسام کے ساتھ نزول کے وقت دکھائی نہ دیں۔ پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ بہت سے لوگ ہمارے سامنے مرتے ہیں لیکن ان کی نزع کے وقت ہم ان ملائکہ کو نہیں دیکھتے جو ان کو وفات دیتے ہیں اور نہ ہی ہم اس سوال و جواب کو سُنتے ہیں جو وہ مُردوں سے کرتے ہیں۔

(حمامۃ البشریٰ صفحہ ۶۷)

ترجمہ از مرتّب :۔ بالکل صحیح اور جامع بات جو حق کا پتہ دیتی ہے اور ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان جھگڑے

مِنْ سُوْرَةِ الطَّارِقِ تَذَكَّرَ سِرًّا غَفَلُوْا مِنْهُ اَهْلُ الْهَوَا۔ اَعْنِیْ قَوْلَهٗ تَعَالٰی وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔ اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا وَّ اَكِیْدُ كَیْدًا۔ فَاعْلَمُوْا اَیُّهَا الْاَعِزَّةُ۔ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰیَةَ بَحْرٌ مَوَّاجٌ مِنْ تِلْكَ الْاَسْرَارِ مَا اَحَاطَتْهَا فِكْرٌ مِنَ الْاَفْكَارِ وَمَا مَسَّتْهَا مُدْرِكَةُ الْوَرٰی وَفَهَّمَنِیْ رَبِّیْ اَسْرَارَ هٰذِهِ الْاٰیَةِ وَاخْتَصَّنِیْ بِهَا۔ وَتَفْصِیْلُهٗ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَشَارَ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ اِلٰی اَنَّ السَّمَاءَ مَجْمُوْعَةُ مُؤَثِّرَاتٍ وَالْاَرْضَ مَجْمُوْعَةُ مُتَأَثِّرَاتٍ وَ یَنْزِلُ الْاَمْرُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ فَتَلَقَّتْهُ الْاَرْضُ بِالْقَبُوْلِ وَلَا تَأْبٰی۔ وَفِیْ هٰذَا اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّ كُلَّ مَا فِی السَّمَآءِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُوْمِ وَالْمَلَائِكَةِ وَاَرْوَاحِ الْمُقَدَّسِیْنَ مِنَ الرُّسُلِ وَالنَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَغَیْرِهِمْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یُلْقِیْ اَثَرَهٗ عَلٰی مَا فِی الْاَرْضِ بِمُنَاسَبَاتٍ قَضَتْ حِكْمَةُ الْقُدْسِ رِعَایَتَهَا۔ فَالسَّمَاءُ تَتَوَجَّهُ اِلَی الْاَرْضِ بِاَقْسَامٍ غَیْرِ مُتَنَاهِیَةٍ مِنَ النُّزُوْلِ وَالرَّجْعِ وَالْاَرْضُ تَتَقَبَّلُهَا بِالْاِنْصِدَاعِ وَالْاِیْوَاءِ بِاَقْسَامٍ لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰی۔ فَمِنْ اَقْسَامِ نَتَائِجِ

کا فیصلہ کر دیتی ہے قرآن مجید کی سورۃ طارق کی وہ آیتِ جلیلہ ہے جو اس بھید کو بتاتی ہے جس سے اپنی خواہشات کے تابع لوگ غافل ہیں۔ میری مراد خدا تعالیٰ کے قول وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔ اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا وَّ اَكِیْدُ كَیْدًا سے ہے۔ پس اے عزیز تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ آیت ان اسرار کا موجیں مارتا ہوا ایک سمندر ہے جس کا کسی کی سوچ نے احاطہ نہیں کیا اور نہ ہی مخلوق کی عقل نے ان کو چھوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اِس آیت کے اسرار سمجھائے ہیں اور ان کے ساتھ مجھے ہی مخصوص کیا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں اِس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آسمان مؤثرات کا مجموعہ ہے اور زمین متأثرات کا مجموعہ۔ اور امرِ الٰہی آسمان سے زمین پر نازل ہوتا ہے اور زمین اس کو قبول کر لیتی ہے اور انکار نہیں کرتی۔ اور اس میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے یعنی سورج، چاند، ستارے، ملائکہ اور پاک انبیاء و رسول اور صدیق اور ان کے علاوہ دوسرے مومنوں کی ارواح ان مناسبات کے ساتھ کہ جن کی رعایت حکمتِ قدسیہ تقاضا کرتی ہے۔ زمین پر موجود اشیاء پر اثر ڈالتی ہیں۔ سو آسمان نزول اور رجع کی بے شمار اقسام کے ساتھ زمین کی طرف توجّہ کرتا ہے اور زمین اسے اپنے اندر لینے اور اسے نشو و نما دینے کی اَن گنت اقسام کے ساتھ اسے قبول کرتی ہے۔ اِس رجع اور صدع کے عمل

هٰذَا الرَّجْعِ وَالصَّدْعِ اَشْيَاءُ تَحْدُثُ فِيْ طَبَقَاتِ الْاَرْضِ كَالْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ وَالْحَدِيْدِ وَجَوَاهِرَاتٌ نَفِيْسَةٌ وَاَشْيَاءُ اُخْرٰى۔ وَمِنْ اَقْسَامِهِ الزُّرُوْعُ وَالْاَشْجَارُ وَالنَّبَاتَاتُ وَالثِّمَارُ وَالْعُيُوْنُ وَالْاَنْهَارُ وَكُلُّ مَا تَتَصَدَّعُ عَنْهُ الثَّرٰى وَمِنْ اَقْسَامِهِ جِمَالٌ وَحَمِيْرٌ وَاَفْرَاسٌ وَكُلُّ دَابَّةٍ تَدُبُّ عَلَى الْاَرْضِ وَكُلُّ طَيْرٍ يَطِيْرُ فِي الْهَوَاءِ۔ وَمِنْ اَقْسَامِهِ الْاِنْسَانُ الَّذِيْ خُلِقَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ وَفُضِّلَ عَلٰى كُلِّ مَنْ دَبَّ وَمَشٰى وَمِنْ اَقْسَامِهِ الْوَحْيُ وَالنُّبُوَّةُ وَالرِّسَالَةُ وَالْعَقْلُ وَالْفَطَانَةُ وَالشَّرَافَةُ وَالنَّجَابَةُ وَالسَّفَاهَةُ وَالْجَهْلُ وَالْحُمْقُ وَالرَّذَالَةُ وَتَرْكُ الْحَيَاءِ۔ وَمِنْ اَقْسَامِهِ نُزُوْلُ اَرْوَاحِ الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ نُزُوْلًا اِنْعِكَاسِيًّا عَلٰى كُلِّ مَنْ يُنَاسِبُ فِطْرَتَهُمْ وَيُشَابِهُ جَوْهَرَهُمْ وَخِلْقَتَهُمْ فِي الْخَلْقِ وَالصِّدْقِ وَالصَّفَاءِ وَمِنْ هٰهُنَا ظَهَرَ اَنَّ تَاْثِيْرَاتِ النُّجُوْمِ ثَابِتَةٌ مُتَحَقِّقَةٌ مَنْصُوْصَةٌ وَلَا يَشُكُّ فِيْهَا اِلَّا الْجَاهِلُ الْغَبِيُّ الْبَلِيْدُ الَّذِيْ لَا يَنْظُرُ فِي الْقُرْاٰنِ وَيُجَادِلُ كَالْاَعْمٰى وَهٰذَا الرَّجْعُ وَالصَّدْعُ جَارٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ يَوْمٍ خَلَقَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ[1] فَمَالَتِ السَّمَاءُ اِلَى الْاَرْضِ كَالذَّكَرِ اِلَى الْاُنْثٰى وَلِاَجْلِ ذٰلِكَ اِخْتَارَ

کے نتیجہ میں بہت سی چیزیں طبقات الارض میں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً چاندی، سونا، لوہا، جواہراتِ نفیسہ اور ایسی ہی اور اشیاء۔ اور اس کی اقسام میں سے کھیتیاں، درخت، نباتات، پھل، چشمے اور دریا وغیرہ ہیں۔ نیز جملہ وہ اشیاء جن کے ظاہر کرنے کے لئے زمین پھٹتی ہے اور پھر اس کی اقسام میں سے اُونٹ، گدھے، گھوڑے اور اسی قسم کے دوسرے تمام چارپائے ہیں جو زمین پر چلتے ہیں اور ہوا میں اُڑنے والے تمام پرندے ہیں اور اس کی اقسام میں سے انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے احسنِ تقویم میں پیدا کیا ہے اور ہر رینگنے اور چلنے والے حیوان پر اس کو فضیلت دی گئی ہے اور اسی کی اقسام میں سے وحی اور نبوت و رسالت اور عقل، فطانت، شرافت، نجابت، بیوقوفی، جہالت، حماقت، رذالت اور بے حیائی ہیں اور اسی کی اقسام میں سے انبیاء اور رسولوں کی اَرواح کا ہر اس وجود پر انعکاسی طور پر نزول کرنا ہے جو ان کی فطرت کے مشابہ ہو اور جوہر اور خلقت اور صدق و صفا میں ان کے مشابہ ہو۔ اِس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نجوم کی تاثیرات ثابت شدہ متحقّق اور مسلّمہ ہیں اور اس میں صرف جاہل، کُند ذہن جو قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کرتا اور اندھوں کی طرح جھگڑتا ہے وہی شک کر سکتا ہے اور یہ رجع اور صدع کا عمل آسمانوں اور زمین میں اُس دن سے جاری ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے اِن دونوں

---

[1] سورۃ حٰمٓ السجدۃ: ۱۲

الرَّبُّ الْكَرِيْمُ لَفْظَ الرَّجْعِ لِلسَّمَاءِ وَلَفْظَ الصَّدْعِ لِلْاَرْضِ اِشَارَةً اِلٰى اَنَّهُمَا تَجْتَمِعَانِ دَائِمًا كَاجْتِمَاعِ الذُّكُوْرِ وَالْاِنَاثِ وَلَا تَابٰى اِحْدٰىهُمَا مِنَ الْاُخْرٰى وَتَطْغٰى۔ فَتَاْثِيْرَاتُ السَّمَاءِ تَنْزِلُ ثُمَّ تَنْزِلُ وَالْاَرْضُ تَقْبَلُهَا ثُمَّ تَقْبَلُ وَلَا تَنْقَطِعُ هٰذِهِ السِّلْسِلَةُ الدَّوْرِيَّةُ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَمَا فِيْهَا۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ اَوَّلِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ وَقَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ فَمَا اَدْرَاكَ اَنَّهٗ فِيْ جَمْعِ ذِكْرِ الرَّجْعَيْنِ اِلٰى مَا اَوْلٰى۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ اَشَارَ اِلٰى اَنَّ عَوْدَ الْاِنْسَانِ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ فِيْ قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى كَمَا اَنَّهٗ يُعِيْدُ اَرْوَاحَ الْمُقَدَّسِيْنَ بِاِعَادَاتِ الْعِكَاسِيَّةِ مِنَ السَّمَآءِ الَّتِيْ هِيَ ذَاتُ الرَّجْعِ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ هِيَ ذَاتُ الصَّدْعِ وَمَوْلِدُ كُلِّ مَنْ يَحْيٰى۔ وَهٰذِهٖ نُكْتَةٌ عَظِيْمَةٌ لَطِيْفَةٌ۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۴۴۲ تا ۴۴۶)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ اِس جگہ آسمان سے مُراد وہ کُرّۂ زمہریر ہے جس سے پانی برستا ہے اور اِس آیت میں اس کُرّۂ زمہریر کی قسم کھائی گئی ہے جو مینہ برساتا ہے اور رَجْع کے معنے مینہ ہے اور خلاصہ معنی آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں وحی کا ثبوت دینے کے لئے آسمان کو گواہ لاتا ہوں جس سے

کو پیدا کیا ہے اور ان کو کہا اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا تو انہوں نے کہا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ۔ پس آسمان زمین کی طرف اِس طرح مائل ہُوا جس طرح نر مادہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اِسی لئے ربّ کریم نے آسمان کے لئے لفظ رَجْعٌ اختیار کیا اور زمین کے لئے لفظ صَدْعٌ۔ اور اس میں اِس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ دونوں ہمیشہ نر و مادہ کی طرح جمع ہوتے چلے جائیں گے اور ان میں سے نہ کوئی دوسرے سے نفرت کرے گا اور نہ سرکشی۔ پس آسمان کی تاثیرات متواتر نازل ہوتی رہتی ہیں اور زمین اس کو بار بار قبول کرتی ہے اور یہ عمل ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں رُکتا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اس میں موجود مخلوقات سب کا نظام بگڑ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کے شروع میں ہی فرمایا تھا اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ اور اِس کے بعد فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ اور تمہیں کیونکر علم ہو کہ ان دونوں رَجْع کے ذکر کو ایک جگہ بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نے کس طرف اشارہ کیا ہے، سو جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس میں اِس طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان کا بعث بعد الموت کے ذریعہ دوبارہ زندہ کیا جانا اللہ کی قدرت میں ہے جس طرح وہ مقدّسین کی اَرواح کو بروزی طور پر آسمان سے (جو ذَاتِ الرَّجْعِ ہے) زمین کی طرف (جو ذَاتِ الصَّدْعِ ہے اور ہر زندہ کا مولد ہے) لوٹاتا ہے اور یہ بڑا لطیف اور عظیم نکتہ ہے۔ (آئینہ کمالاتِ اِسلام صفحہ ۴۴۲ تا ۴۴۶)

پانی برستا ہے۔یعنی تمہاری رُوحانی حالت بھی ایک پانی کی محتاج ہے اور وہ آسمان سے ہی آتا ہے جیسا کہ تمہارا جسمانی پانی آسمان سے آتا ہے۔ اگر وہ پانی نہ ہو تو تمہاری عقلوں کے پانی بھی خشک ہوجائیں۔عقل بھی اسی آسمانی پانی یعنی وحیٔ الٰہی سے تازگی اور روشنی پاتی ہے۔غرض جس خدمت میں آسمان لگا ہوُا ہے یعنی پانی برسانے کی خدمت۔یہ کام آسمان کا خدا تعالیٰ کی پہلی صفت کا ایک ظِلّ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ ابتداء ہر ایک چیز کا پانی سے ہے۔انسان بھی پانی سے ہی پیدا ہوتا ہے اور وید کی رُو سے پانی کا دیوتا اکاش ہے جس کو وید کی اِصطلاح میں اِندر کہتے ہیں مگر یہ سمجھنا غلطی ہے کہ یہ اِندر کچھ چیز ہے بلکہ وہی پوشیدہ اور نہاں در نہاں طاقتِ عظمیٰ جس کا نام خدا ہے اس میں کام کر رہی ہے۔ (نسیمِ دعوت صفحہ ۴۷)

قرآن شریف کی اِصطلاح کی رُو سے جو فضا یعنی پول اُوپر کی طرف ہے جس میں بادل جمع ہوکر مینہ برستا ہے اس کا نام بھی آسمان ہے جس کو ہندی میں اکاش کہتے ہیں۔ (نسیمِ دعوت صفحہ ۴۷ حاشیہ)

قرآن شریف نے وحی اور الہام کی سُنّتِ قدیمہ پر قانونِ قدرت سے گواہی لانے کے لئے ایک اَور مقام میں بھی اسی قسم کی قسم کھائی ہے اور وہ یہ ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ یعنی اُس آسمان کی قسم ہے جس کی طرف سے بارش آتی ہے اور اُس زمین کی قسم ہے جو بارش سے طرح طرح کی سبزیاں نکالتی ہے کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے اور اس کی وحی ہے اور وہ باطل اور حق میں فیصلہ کرنے والا ہے اور عبث اور بیہودہ نہیں یعنی بے وقت نہیں آیا۔موسم کے مینہ کی طرح آیا ہے۔

اب خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کے ثبوت کے لئے جو اس کی وحی ہے ایک کھُلے کھُلے قانونِ قدرت کو قسم کے رنگ میں پیش کیا یعنی قانونِ قدرت میں ہمیشہ یہ بات مشہود اور مرئی ہے کہ ضرورتوں کے وقت آسمان سے بارش ہوتی ہے اور تمام مدار زمین کی سرسبزی کا آسمان کی بارش پر ہے اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو رفتہ رفتہ کنوئیں بھی خشک ہوجاتے ہیں پس دراصل زمین کے پانی کا وجود بھی آسمان کی بارش پر موقوف ہے اِسی وجہ سے جب کبھی آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین کے کنوؤں کا پانی چڑھ آتا ہے۔کیوں چڑھ آتا ہے؟ اِس کا یہی سبب ہے کہ آسمانی پانی زمین کے پانی کو اُوپر کی طرف کھینچتا ہے۔یہی رشتہ وحی اللہ اور عقل میں ہے۔ وحی اللہ یعنی الہامِ الٰہی آسمانی پانی ہے اور عقل زمینی پانی ہے اور یہ پانی ہمیشہ آسمانی پانی سے جو الہام ہے تربیت پاتا ہے اور اگر آسمانی پانی یعنی وحی ہونا بند ہوجائے تو یہ زمینی پانی بھی رفتہ رفتہ خشک ہوجاتا ہے۔کیا اس کے واسطے یہ دلیل کافی نہیں کہ جب ایک زمانہ دراز گذر جاتا ہے اور کوئی الہام یافتہ زمین پر پیدا نہیں ہوتا تو عقلمندوں کی عقلیں نہایت گندی اور خراب ہوجاتی ہیں جیسے زمینی پانی خشک ہوجاتا اور سڑ جاتا ہے۔اس کے سمجھنے کے لئے اس زمانہ پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اپنا رنگ

تمام دُنیا میں دِکھلا رہا تھا۔ چونکہ اُس وقت حضرت مسیح کے زمانہ کو چھ سَو برس گذر گئے تھے اور اس عرصہ میں کوئی الہام یافتہ پَیدا نہیں ہؤا تھا اِس لئے تمام دُنیا نے اپنی حالت کو خراب کر دیا تھا۔ ہر ایک ملک کی تاریخیں پکار پکار کر کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مگر آپؐ کے ظہور سے پہلے تمام دُنیا میں خیالاتِ فاسدہ پھیل گئے تھے۔ ایسا کیوں ہؤا تھا اور اس کا کیا سبب تھا؟ یہی تو تھا کہ الہام کا سلسلہ مُدتوں تک بند ہو گیا تھا۔ آسمانی سلطنت صرف عقل کے ہاتھ میں تھی۔ پس اِس ناقص عقل نے کن کن خرابیوں میں لوگوں کو ڈالا۔ کیا اس سے کوئی ناواقف بھی ہے۔ دیکھو الہام کا پانی جب مدت تک نہ برسا تو تمام عقلوں کا پانی کیسا خشک ہو گیا۔

سو اِن قسموں میں یہی قانونِ قدرت اللہ تعالیٰ پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم غور کر کے دیکھو کہ کیا خدا کا یہ حکم اور دائمی قانونِ قدرت نہیں کہ زمین کی تمام سرسبزی کا مدار آسمان کا پانی ہے۔ سو اِس پوشیدہ قانونِ قدرت کے لئے جو الہامِ الٰہی کا سلسلہ ہے یہ کُھلا کُھلا قانونِ قدرت بطور گواہ کے ہے سو اِس گواہ سے فائدہ اُٹھاؤ اور صرف عقل کو اپنا رہبر مت بناؤ کہ وہ ایسا پانی نہیں جو آسمانی پانی کے سوا موجود رہ سکے۔ جس طرح آسمانی پانی کا یہ خاصہ ہے کہ خواہ کسی کنوئیں میں اس کا پانی پڑے یا نہ پڑے وہ اپنی طبعی خاصیت سے تمام کنوؤں کے پانی کو اُوپر چڑھا دیتا ہے ایسا ہی جب خدا کا ایک الہام یافتہ دُنیا میں ظہور فرماتا ہے خواہ کوئی عقلمند اس کی پیروی کرے یا نہ کرے مگر اس الہام یافتہ کے زمانہ میں خود عقلوں میں ایسی روشنی اور صفائی آجاتی ہے کہ پہلے اس سے موجود نہ تھی لوگ خواہ نخواہ حق کی تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور غیب سے ایک حرکت ان کی قوتِ متفکّرہ میں پیدا ہو جاتی ہے سو یہ تمام عقلی ترقی اور دلی جوش اس الہام یافتہ کے قدمِ مبارک سے پیدا ہو جاتا ہے اور بالخاصیت زمین کے پانیوں کو اُوپر اُٹھاتا ہے۔ جب تم دیکھو کہ مذاہب کی جستجو میں ہر ایک شخص کھڑا ہو گیا ہے اور زمینی پانی کو کچھ اُبال آیا ہے تو اُٹھو اور خبردار ہو جاؤ اور یقیناً سمجھو کہ آسمان سے زور کا مینہ برسا ہے اور کسی دِل پر الہامی بارش ہو گئی ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۱۱۵، ۱۱۶)

قسم ہے آسمان کی جس سے مینہ نازل ہوتا ہے اور قسم ہے زمین کی جو پھوٹ کر اناج نکالتی ہے۔ یہ کلام یعنی قرآن شریف حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے اور بے فائدہ نہیں۔ یعنی اس کلام کی ایسی ہی ضرورت ثابت ہے جیسا کہ جسمانی نظام میں مینہ کی ضرورت ثابت ہے۔ اگر مینہ نہ ہو تو آخرکار کنوئیں بھی خشک ہو جاتے ہیں اور دریا بھی۔ اور پھر نہ پینے کے لئے پانی رہتا ہے اور نہ کھانے کے لئے اناج۔ کیونکہ ہر ایک برکت زمین کی آسمان سے ہی نازل ہوتی ہے۔ اِس دلیل سے خدا نے ثابت کیا ہے کہ جیسا کہ پانی اور اناج کی ہمیشہ ضرورت ہے ایسا ہی خدا کی کلام اور اُس کے تسلّی دینے والے معجزات کی ہمیشہ ضرورت ہے کیونکہ محض گذشتہ قصّوں سے تسلّی نہیں ہو سکتی۔ پس آریہ صاحبوں کو سمجھنا چاہیئے کہ محض وید کے ورق چاٹنے سے نہ رُوحانی پیاس دُور ہو سکتی ہے اور نہ

وہ تسلی مل سکتی ہے جو خدا کے تازہ بتازہ معجزات سے ملتی ہے اور آیت ممدوحہ بالا میں جو خدا نے قسم کھائی۔ پس جاننا چاہیئے کہ خدا کی قسمیں انسان کی قسموں کی طرح نہیں ہیں بلکہ عادت اللہ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ وہ قرآن شریف میں قسم کھا کر جسمانی نظام کو رُوحانی نظام کی تصدیق میں پیش کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قسم شہادت کی قائم مقام وضع کی گئی ہے۔ پس اس جگہ خدا کی کلام میں جسمانی امور کی قسم کھانے سے اشارہ یہ ہے کہ جو قسم کے بعد رُوحانی امور بیان کئے گئے ہیں جسمانی امور ان کی سچائی کے گواہ ہیں پس جس جگہ تم قرآن شریف میں اس طور کی قسمیں پاؤ گے ہر ایک جگہ اُن قسموں سے یہی مراد ہے کہ خدا تعالیٰ اوّل جسمانی امور پیش کر کے ان امور کو رُوحانی امور کے لئے جو بعد میں لکھتا ہے بطور گواہ کے پیش کرتا ہے۔

(چشمہ معرفت صفحہ ۹۴)

قرآن شریف کی قسموں پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے۔ بڑے غور اور فکر کے بعد یہ راز ہم پر کھلا ہے کہ قرآن شریف کے جس جس مقام پر کوتاہ اندیشوں نے اعتراض کئے ہیں اسی مقام پر اعلیٰ درجہ کی صداقتوں اور معارف کا ایک ذخیرہ موجود ہے جس پر اس وجہ سے اطلاع نہیں ملی کہ وہ حق کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اور قرآن شریف کو محض اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس پر نکتہ چینی اور اعتراض کریں۔ یاد رکھو قرآن شریف کے دو حصے ہیں بلکہ تین۔ ایک تو وہ حصہ ہے جس کو ادنیٰ درجہ کے لوگ بھی جو اُمّی ہوتے ہیں سمجھ سکتے ہیں اور دوسرا وہ حصہ ہے جو اوسط درجہ کے لوگوں پر کھلتا ہے۔ اگرچہ وہ پورے طور پر اُمّی نہیں ہوتے لیکن بہت بڑی استعداد علوم کی بھی نہیں رکھتے۔ اور تیسرا حصہ ان لوگوں کے لئے ہے جو اعلیٰ درجہ کے علوم سے بہرہ ور ہیں اور فلاسفر کہلاتے ہیں۔ یہ قرآن شریف ہی کا خاصہ ہے کہ وہ تینوں قسم کے آدمیوں کو یکساں تعلیم دیتا ہے۔ ایک ہی بات ہے جو اُمّی اور اوسط درجہ کے آدمی اور اعلیٰ درجہ کے فلاسفر کو تعلیم دی جاتی ہے قرآن شریف کا ہی فخر ہے کہ ہر طبقہ اپنی استعداد اور درجہ کے موافق فیض پاتا ہے۔ الغرض یہ جو قرآن شریف کی قسم پر اعتراض کیا جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قسم ایک ایسی شَے ہے جس کو ایک شاہد کے مفقود ہونے کے بجائے دوسرا شاہد قرار دیا جاتا ہے۔ قانوناً، شرعاً، عُرفاً یہ عام مسلّم بات ہے کہ جب گواہ مفقود ہو اور موجود نہ ہو تو صرف قسم پر اکتفا کی جاتی ہے اور وہ قسم گواہی کے قائمقام ہوتی ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کی سُنّت قرآن کریم میں اس طرح پر جاری ہے کہ نظریات کو ثابت کرنے کے واسطے بدیہیات کو بطور شاہد پیش کرتا ہے تاکہ نظری امور ثابت ہوں۔ تو یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف میں یہ طرز اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کہ نظری امور کے اثبات کے لئے امور بدیہی کو بطور شواہد پیش کرتا ہے اور یہ پیش کرنا قسموں کے رنگ میں ہے۔ اس بات کو بھی ہرگز بھولنا نہ چاہیئے کہ اللہ جلّشانہٗ کی قسموں کو انسانی قسموں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق

ہے اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ انسان جب قسم کھاتا ہے تو اس کا مدّعا یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی ہے اس کو ایک ایسے گواہ رویت کا مقام ٹھہراوے کہ جو اپنے ذاتی علم سے اس کے بیان کی تصدیق یا تکذیب کر سکتا ہے کیونکہ اگر سوچ کر دیکھا جاوے تو قسم کا اصل مفہوم جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا تھا شہادت ہی ہوتا ہے۔ جب انسان معمولی شاہدوں کو پیش کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو پھر قسم کا محتاج ہوتا ہے تا اس سے وہ فائدہ اُٹھاوے جو ایک شاہد رویت کی شہادت سے اُٹھانا چاہتا ہے لیکن ایسا تجویز کرنا یا اعتقاد رکھنا کہ بجز خدا تعالیٰ کے کوئی اَور بھی حاضر ناظر ہے اور تصدیق یا تکذیب یا سزا دہی یا کسی اَور امر پر قادر ہے صریح کلمۂ کفر ہے اِس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کتابوں میں انسان کو یہی ہدایت فرمائی ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہ کھاوے۔

اب اِس بیان سے صاف معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا کوئی اَور رنگ اور شان رکھتا ہے اور غرض اس سے یہی ہے کہ تا صحیفۂ قدرت کے بدیہیات کو شریعت کے اسرارِ دقیقہ کے حلّ و انکشاف کے لئے بطور شاہد پیش کرے اور چونکہ اس مدّعا کو قسم سے ایک مناسبت تھی اور وہ یہ کہ جیسا ایک قسم کھانے والا جب مثلاً خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے تو اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اِس واقعہ پر گواہ ہے۔ اسی طرح اور ٹھیک اسی رنگ میں اللہ تعالیٰ کے بعض ظاہر و ظاہر افعال نہاں در نہاں اسرار اور افعال پر بطور گواہ ہیں اِس لئے اس نے قسم کے رنگ میں اپنے افعالِ بدیہیہ کو اپنے افعالِ نظریہ کے ثبوت میں جا بجا قرآن شریف میں پیش کیا اور یہ کہنا سراسر نادانی اور جہالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی قسم کھائی کیونکہ اللہ تعالیٰ درحقیقت اپنے افعال کی قسم کھاتا ہے نہ کسی غیر کی۔ اور اس کے افعال اس کے غیر نہیں ہیں مثلاً اس کا آسمان یا ستارہ کی قسم کھانا اِس مقصد سے نہیں ہے کہ وہ کسی غیر کی قسم ہے بلکہ اس منشاء سے ہے کہ جو کچھ اس کے ہاتھوں کی صنعت اور حکمت آسمان اور ستاروں میں موجود ہے اس کی شہادت بعض اپنے افعالِ مخفیہ کے سمجھانے کے لئے پیش کرے۔ غرض خدا تعالیٰ کی قسمیں اپنے اندر لامحدود اسرار معرفت کے رکھتی ہیں جن کو اہلِ بصیرت ہی دیکھ سکتے ہیں پس خدا تعالیٰ قسم کے لباس میں اپنے قانونِ قدرت کے بدیہیات کی شہادت اپنی شریعت کے بعض دقائق حل کرنے کے لئے پیش کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب (قانونِ قدرت) اس کی قولی کتاب (قرآن شریف) پر شاہد ہو جاوے اور اس کے قول اور فعل میں باہم مطابقت ہو کر طالبِ صادق کے لئے مزید معرفت اور سکینت اور یقین کا موجب ہو اور یہ طریق قرآن شریف میں عام ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ برہموؤں اور الہام کے مُنکروں پر یُوں اتمامِ حُجّت کرتا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ قسم ہے بادلوں کی جن سے مینہ برستا ہے۔ رَجْعٌ بارش کو بھی کہتے ہیں۔

بارش کا بھی ایک مستقل نظام ہے۔ جیسے نظامِ شمسی ہے۔ رات اور دن کا، اور کسوف خسوف کا بجائے خود ایک ایک نظام ہے۔ مرض کا بھی ایک نظام ہوتا ہے طبیب اس نظام کے موافق کہہ سکتا ہے کہ فلاں دن بُحران ہوگا۔ غرض یہ نظام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ قدرت اپنے اندر ایک ترتیب اور کامل نظام رکھتا ہے اور کوئی فعل اس کا ایسا نہیں ہے جو نظام اور ترتیب سے باہر ہو۔

اللہ تعالیٰ جیسے یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس سے ڈریں ویسے ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگوں میں علوم کی روشنی پیدا ہووے اور اس سے وہ معرفت کی منزلوں کو طے کر جاویں کیونکہ علومِ حقّہ سے واقفیت جہاں ایک طرف سچی خشیت پیدا کرتی ہے وہاں دوسری طرف ان علوم سے خدا پرستی پیدا ہوتی ہے۔ بعض بدقسمت ایسے بھی ہیں جو علوم میں منہمک ہو کر قضاء وقدر سے دُور جا پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر ہی شکوک پیدا کر بیٹھتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو قضاء وقدر کے قائل ہو کر علوم ہی سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ مگر قرآن شریف نے دونوں تعلیمیں دی ہیں اور کامل طور پر دی ہیں۔ قرآن شریف علومِ حقّہ سے اس لئے واقف کرنا چاہتا ہے اور اس لئے ادھر انسان کو متوجہ کرتا ہے کہ اس سے خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی معرفت میں جُوں جُوں ترقی ہوتی ہے اسی قدر خدا تعالیٰ کی عظمت اور اُس سے محبت پیدا ہوتی جاتی ہے اور انسان کو قضاء وقدر کے نیچے رہنے کی اس لئے تعلیم دیتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کی صفت پیدا ہو اور وہ رضا برضا رہنے کی حقیقت سے آشنا ہو کر ایک سچی سکینت اور اطمینان جو نجات کا اصل مقصد اور منشاء ہے حاصل کرے۔

ابھی جو مثال میں نے قرآن شریف سے قسم کے متعلق دی ہے کہ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ یعنی قسم ہے آسمان کی جس میں اللہ تعالیٰ نے رَجع کو رکھا ہے۔ سماء کا لفظ فضا اور جَوّ اور بارش اور بلندی کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ رَجع بار بار وقت پر آنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ بارش برسات میں بار بار آتی ہے اس لئے اس کا نام بھی رَجع ہے۔ اسی طرح پر آسمانی بارش بھی اپنے وقتوں پر آتی ہے۔ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ اور قسم ہے زمین کی کہ وہ اُن وقتوں میں پھوٹ نکلتی ہے اور سبزہ نکالتی ہے۔

بارش کی جڑھ زمین ہے۔ زمین کا پانی جو بخارات بن کر اُوپر چڑھ جاتا ہے وہ کُرّۂ زمہریر میں پہنچ کر بارش بن کر واپس آتا ہے اور اس صورت میں چونکہ وہ آسمان سے آتا ہے اس لئے آسمانی کہلاتا ہے۔ پھر بارش کی ضرورت کے لئے ایک اَور وقت خاص ہے جب مزارعین کو ضرورت ہوتی ہے۔ اگر بیائی کے بعد پڑے تو کچھ بھی نہ رہے اور پھر بعض اَوقات نشوونما کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ غرض بارش اور مینہ کی ضرورت اور اُس کے مفاد اور اس کے آسمان سے آنے کا نظارہ بالکل بدیہی ہے اور ایک اَدنیٰ درجہ کی عقل رکھنے والا

گنوار دہقان بھی جانتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر آسمانی بارش نہ ہو تو زمینی پانی بھی خشک ہونے لگتے ہیں چنانچہ امساکِ باراں کے دنوں میں بہت سے کنوئیں خشک ہو جاتے ہیں اور اکثروں میں پانی بہت ہی کم رہ جاتا ہے لیکن جب آسمان سے بارش آتی ہے تو زمینی پانیوں میں بھی ایک جوش اور تموّج پیدا ہونے لگتا ہے۔ میرا مطلب اِس مقام پر اِس مثال کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان قسموں کو ایک اَور امر کے لئے بطور شاہد قرار دیا ہے کیونکہ ان نظّاروں سے تو ایک معمولی زمیندار بھی واقف ہے اور وہ امر جو ان کے ذریعہ ثابت کیا ہے وہ یہ ہے اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔ بیشک یہ خدا کا کلام ہے اور قولِ فصل ہے اور وہ عین وقت پر ضرورتِ حقّہ کے ساتھ اور حق و حکمت کے ساتھ آیا ہے بیہودہ طور پر نہیں آیا۔ اَب یہ دیکھ لو کہ قرآن شریف جس وقت نازل ہؤا ہے کیا اس وقت نظامِ رُوحانی نہیں چاہتا تھا کہ خدا کا کلام نازل ہو اور کوئی مردِ آسمانی آوے جو اس گمشدہ متاع کو واپس دلائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت کی تاریخ پڑھو تو معلوم ہو جاوے گا کہ دُنیا کی کیا حالت تھی خدا تعالیٰ کی پرستش دُنیا سے اُٹھ گئی تھی اور توحید کا نقش پامٹ چکا تھا باطل پرستی اور معبودانِ باطلہ کی پرستش نے اللہ جلّ شانہٗ کی جگہ لے رکھی تھی۔ دُنیا پر جہالت اور ظلمت کا ایک خوفناک پَردہ چھایا ہؤا تھا۔ دُنیا کے تختہ پر کوئی ملک کوئی قطعہ کوئی سرزمین ایسی نہ رہ گئی تھی جہاں خدائے واحد ہاں حیّ و قیّوم خدا کی پرستش ہوتی ہو۔ عیسائیوں کی مُردہ پرست قوم تثلیث کے چکّر میں پھنسی ہوئی تھی اور ویدوں میں توحید کا بے جا دعویٰ کرنے والے ہندوستان کے رہنے والے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کے پُوجاری تھے۔ غرض خود خدا تعالیٰ نے جو نقشہ اس وقت کی حالت کا اِن الفاظ میں کھینچا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[1] یہ بالکل سچّا ہے اور اِس سے بہتر انسانی زبان اور قلم اس حالت کو بیان نہیں کر سکتی۔ اَب دیکھو کہ جیسے خدا تعالیٰ کا قانون عام ہے کہ عین امساکِ بارش کے وقت آخر اس کا فضل ہوتا ہے اور بارانِ رحمت برس کر شاداب بخشتا ہے اسی طرح پر ایسے وقت میں ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کا کلام آسمان سے نازل ہوتا۔ گویا جسمانی بارش کے نظام کو دکھا کر رُوحانی بارش کے نظام کی طرف رہبری کی ہے۔ اب اِس سے کون انکار کرے گا کہ بارش ہمارے مقاصد کے موافق ہوتی ہے۔ اِس سے مطلب یہ ہے کہ جیسے وہ نظام رکھا ہے اسی طرح دوسری بارشوں کے لئے وقت رکھے ہیں۔ اَب دیکھ لو کہ کیا یہ بارشِ رُوحانی کا ذکر نہ تھا۔ کس قدر جھگڑے تم لوگوں میں بپا تھے۔ اعمال گندے اور ایمان بھی گندے تھے اور دُنیا ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والی تھی پھر وہ کیونکر اپنے فضل کا مینہ نہ برساتا جس نے جسمِ فانی کی حفاظت کے لئے ایک

---

[1] سورۃ الروم: ۴۲

خاص نظام رکھا ہے پھر رُوحانی نظام کو کیونکر چھوڑتا اِس لئے بارش کے نظام کو بطور شاہد پیش کر کے قسم کے رنگ میں استعمال کیا کیونکہ امرِ نبوت ایک رُوحانی اور نظری امر تھا اور کفّارِ عرب اس نظام کو نہ سمجھ سکتے تھے اِس لئے وہ پہلا نظام پیش کر کے ان کو سمجھا دیا۔ غرض یہ ایک سِرّ ہے جس کو جاہلوں نے سمجھا نہیں اور اپنی نادانی اور عداوتِ حق کی بِنا پر اعتراض کر دیا ہے۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۲۰ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۱ء صفحہ ۴ و الحکم جلد ۵ نمبر ۲۱ مورخہ ۱۰ جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۱ تا ۳)

آریہ اور عیسائی اعتراض کر دیتے ہیں کہ قرآن شریف میں قسمیں کیوں کھائی ہیں؟ اور پھر اپنی طرف سے حاشیہ چڑھا کر اس کو عجیب عجیب اعتراضوں کے پیرایہ میں پیش کرتے ہیں حالانکہ اگر ذرا بھی نیک نیتی اور فہم سے کام لیا جاوے تو ایسا اعتراض بیہودہ اور بے سُود معلوم دیتا ہے کیونکہ قسموں کے متعلق یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ قسم کھانے کا اصل مفہوم اور مقصد کیا ہوتا ہے؟ جب اس کی فلاسفی پر غور کر لیا جاوے تو پھر یہ خود بخود سوال حل ہو جاتا ہے اور زیادہ رنج اُٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ قسم کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قسم بطور قائم مقام گواہ کے ہوتی ہے اور یہ مسلّم بات ہے کہ عدالت جب گواہ پر فیصلہ کرتی ہے تو کیا اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ پر فیصلہ کرتی ہے یا قسم کھانے والے کی قسم کو ایک شاہدِ صادق تصوّر کرتی ہے یہ روزمرّہ کی بات ہے۔

جہالت یا تعصّب سے اعتراض کرنا اَور بات ہے لیکن حقیقت کو مدِّ نظر رکھ کر کوئی بات کہنا اَور۔

اب جبکہ یہ عام طریق ہے کہ قسم بطور گواہ کے ہوتی ہے پھر یہ کیسی سیدھی بات ہے کہ اسی اصول پر قرآن شریف کی قسموں کو دیکھ لیا جاوے کہ وہاں اس سے کیا مطلب ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جہاں کوئی قسم کھائی ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ نظری امور کے اثبات کے لئے بدیہی کو گواہ ٹھہراتا ہے جیسے فرمایا:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ

اَب یہ بھی ایک قسم کا محل ہے۔ نادان قرآن شریف کے حقائق سے ناواقف اور نابلد اپنی جہالت سے یہ اعتراض کر دیتا ہے کہ دیکھو زمین کی یا آسمان کی قسم کھائی لیکن اس کو نہیں معلوم کہ اس قسم کے نیچے کیسے کیسے معارف موجود ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحیٔ الٰہی کے دلائل اور قرآن شریف کی حقانیت کی شہادت پیش کرنی چاہتا ہے اور اس کو اس طرز پر پیش کیا ہے۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۳)

اَب اِس قسم کی قسم پر اعتراض کرنا بجز ناپاک فطرت یا بلید الطبع اِنسان کے دوسرے کا کام نہیں کیونکہ اس

ہیں تو عظیم الشان صداقت موجود ہے۔ صحیفۂ فطرت کی عام شہادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کلامِ الٰہی اور نزولِ وحی کی حقیقت بتانا چاہتا ہے۔ سَمَاء کے معنے بادل کے بھی ہیں جس سے مینہ برستا ہے۔ آسمان اور زمین میں ایسے تعلقات ہیں جیسے نَر و مادہ میں ہوتے ہیں۔ زمین میں بھی کنوئیں ہوتے ہیں لیکن زمین پھر بھی آسمانی پانی کی محتاج رہتی ہے۔ جب تک آسمان سے بارش نہ ہو زمین مُردہ سمجھی جاتی ہے اور اس کی زندگی اس پانی پر منحصر ہے جو آسمان سے آتا ہے۔ اِسی واسطے فرمایا ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا[1]

اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب آسمان سے پانی برسنے میں دیر ہو اور امساکِ باراں ہو تو کنوؤں کا پانی بھی خشک ہونے لگتا ہے اور ان ایام میں دیکھا گیا ہے کہ پانی اُتر جاتا ہے لیکن جب برسات کے دِن ہوں اور مینہ برسنے شروع ہوں تو کنوؤں کا پانی بھی جوش مار کر چڑھتا ہے کیونکہ اُوپر کے پانی میں قوتِ جاذبہ ہوتی ہے۔ اب براہموں سوچیں کہ اگر آسمانی پانی نازل ہونا چھوڑ دے تو سب کنوئیں خشک ہو جائیں۔ اسی طرح پر ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نورِ قلب ہر انسان کو دیا ہے اور اس کے دماغ میں عقل رکھی ہے جس سے وہ بُرے بھلے میں تمیز کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ لیکن اگر نبوّت کا نور آسمان سے نازل نہ ہو اور یہ سلسلہ بند ہو جاوے تو دماغی عقلوں کا سلسلہ جاتا رہے اور نورِ قلب پر تاریکی پیدا ہو جاوے اور وہ بالکل کام دینے کے قابل نہ رہے کیونکہ یہ سلسلہ اسی نورِ نبوّت سے روشنی پاتا ہے۔ جیسے بارش ہونے پر زمین کی روئیدگیاں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں اور ہر تخم پیدا ہونے لگتا ہے اسی طرح پر نورِ نبوّت کے نزول پر دماغی اور ذہنی عقلوں میں ایک صفائی اور نورِ فراست میں ایک روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ علیٰ قدرِ مراتب ہوتی ہے اور استعداد کے موافق ہر شخص فائدہ اُٹھاتا ہے خواہ وہ اِس امر کو محسوس کرے یا نہ کرے لیکن یہ سب کچھ ہوتا اس نُورِ نبوّت کے طفیل ہے۔

غرض اِس قسم میں نزولِ وحی کی ضرورت کو ایک عام مشاہدہ کی رُو سے ثابت کیا ہے کہ جیسے آسمانی پانی کے نہ برسنے کی وجہ سے زمین مَر جاتی اور کنوؤں کا پانی خشک ہونے لگتا ہے یہی قانون نزولِ وحی کے متعلق ہے۔

رَجْع پانی کو کہتے ہیں۔ حالانکہ پانی زمین پر بھی ہوتا ہے لیکن آسمان کو ذَاتِ الرَّجْعِ کہا ہے۔ اِس میں یہ فلسفہ بتایا ہے کہ اصلی آسمانی پانی ہی ہے۔ چنانچہ کہا ہے ؎

باراں کہ دَر لطافتِ طبعش خلاف نیست ٭ دَر باغ لالہ روید و دَر شورہ بُوم خس

---

[1] سورۃ الحدید: ۱۸

جو کیفیت بارش کے وقت ہوتی ہے وہی نزولِ وحی کے متعلق ہوتی ہے۔ دو قسم کی طبیعتیں موجود ہوتی ہیں ایک تو مُستعد ہوتی ہے اور دوسری بلید مُستعد طبیعت والے فوراً سمجھ لیتے ہیں اور صادق کا ساتھ دے دیتے ہیں لیکن بلید الطبع نہیں سمجھ سکتے اور وہ مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ دیکھو مکّہ معظمہ میں جب وحی کا نزول ہوُا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کا کلام اُترنے لگا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابوجہل ایک ہی سرزمین کے دو شخص تھے۔ ابوبکرؓ نے تو کوئی نشان بھی نہ مانگا اور مجرّد دعویٰ سُنتے ہی اٰمَنَّا کہہ کر ساتھ ہو لیا۔ مگر ابوجہل نے نشان پر نشان دیکھے مگر تکذیب سے باز نہ آیا اور آخر خدا تعالیٰ کے قہر کے نیچے آکر ذِلّت کے ساتھ ہلاک ہوُا۔

غرض خدا تعالیٰ کی وحی ہر قسم کی طبیعتوں کو باہر نکال دیتی ہے۔ طیّب اور خبیث میں امتیاز کر کے دکھا دیتی ہے۔ وہ بہار کا موسم ہوتا ہے اس وقت ممکن نہیں کہ کوئی تخم شگفتگی کے لئے نہ نکلے لیکن جو کچھ ہوگا وہی برآمد ہوگا۔ نیک اور سعید الفطرت اپنی جگہ پر نمودار ہوتے ہیں اور خبیث الگ۔ اور اس سے پہلے وہ مِلے جُلے ہوئے ہوتے ہیں جیسے گندم اور بھگاٹ کے دانے ملے ہوئے تو رہتے ہیں لیکن جب زمین سے نکلتے ہیں تو دونو الگ نظر آتے ہیں۔ مالک گندم کی حفاظت کرتا اور بُھگاٹ کو نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔ پس نزولِ وحی کے ثبوت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مشاہدہ پیش کیا ہے جس کو نادان اپنی نادانی اور جہالت سے اعتراض کے رنگ میں پیش کرتا ہے حالانکہ اس میں ایک عظیم الشان فلسفہ رکھا ہوُا ہے اِسی لئے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ کہہ کر فرمایا اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ جو کلامِ الٰہی کے لئے بولا گیا ہے۔ یہ ایک نظری امر تھا اِس کے ثبوت کے لئے بدیہی امر کو پیش کیا ہے جیسے امساکِ باراں کے وقت ضرورت ہوتی ہے مینہ کی۔ اسی طرح اس وقت لوگ رُوحانی پانی کو چاہتے ہیں۔ زمین بالکل مَر چکی ہے۔ یہ زمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا مصداق ہو گیا ہے جنگل اور سمندر بگڑ چکے ہیں۔ جنگل سے مراد مُشرک لوگ اور بحر سے مراد اہلِ کتاب ہیں۔ جاہل و عالم بھی مُراد ہو سکتے ہیں۔ غرض انسانوں کے ہر طبقہ میں فساد واقع ہو گیا ہے۔ جس پہلو اور جس رنگ میں دیکھو دُنیا کی حالت بدل گئی ہے رُوحانیت باقی نہیں رہی اور نہ اس کی تاثیریں نظر آتی ہیں۔ اخلاقی اور عملی کمزوریوں میں ہر چھوٹا بڑا مُبتلا ہے۔ خدا پرستی اور خدا شناسی کا نام و نشان مِٹا ہوُا نظر آتا ہے اِس لئے اِس وقت ضرورت ہے کہ آسمانی پانی اور نورِ نبوّت کا نزول ہو اور مُستعد دلوں کو روشنی بخشے۔ خدا تعالیٰ کا شُکر کرو۔ اس نے اپنے فضل سے اس وقت اس نور کو نازل کیا ہے مگر تھوڑے ہیں جو اس نور سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ (الحکم جلد ۷، ۱۲ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۱)

بعض لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن شریف گردشِ آسمان کا قائل ہے جیسے فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ حالانکہ آجکل کے بچے بھی جانتے ہیں کہ زمین گردش کرتی ہے۔ غرض اِسی قسم کے بیسیوں اعتراض کر دیتے

ہیں اور تا وقتیکہ ان علوم میں کچھ مہارت اور واقفیت نہ ہو جواب دینے میں مشکل پیدا ہوتی ہے۔ یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ زمین یا آسمان کی گردش ظنی امور ہیں ان کو یقینیات میں داخل نہیں کر سکتے۔ ایک زمانہ تک گردشِ آسمان کے قائل رہے پھر زمین کی گردش کے قائل ہو گئے۔ سب سے زیادہ ان لوگوں کی طبابت پر مشق ہے لیکن اس میں بھی دیکھ لو کہ آئے دن تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً پہلے ذیابیطس کے لئے یہ کہتے تھے کہ اس کے مریض کو میٹھی چیز نہیں کھانی چاہیئے مگر اب جو تحقیقات ہوئی ہے تو کہتے ہیں کچھ ہرج نہیں اگر سنگترہ بھی مریض کھالے یا چاء پی لے۔

غرض یہ سب علوم ظنی ہیں۔ اِس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ کے معنے بتا دئے جاویں کیونکہ اس کا ذکر آگیا ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ سَمَاء کے معنے آسمان ہی کے نہیں ہیں بلکہ سَمَاء مینہ کو بھی کہتے ہیں۔ گویا اِس آیت میں اس مینہ کی جو زمین کی طرف رجوع کرتا ہے قسم کھائی ہے اور پھر وہ زمین جس سے شگوفے نکلتے ہیں۔ اکیلی زمین اور اکیلا آسمان کچھ نہیں کر سکتا۔ اِس آیت کو اللہ تعالیٰ ضرورتِ وحی پر بطور مثال پیش کرتا ہے کہ ہر چند زمین میں جو جوہر قابل ہیں اور اس کی فطرت میں نشوونما کا مادہ ہو لیکن وہ نشوونما نہیں پا سکتا اور فطرت بار آور نہیں ہو سکتی جب تک آسمان سے مینہ نہ برسے۔ ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ❊ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

اِس غرض کے لئے کہ عمدہ عمدہ پھل اور پھول پیدا ہوں عمدہ زمین اور اس کے لئے بارش کی ضرورت ہے جبتک یہ بات نہ ہو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب اِس نظارۂ فطرت کو اللہ تعالیٰ ضرورتِ وحی کے لئے پیش کرتا ہے اور توجہ دلاتا ہے کہ دیکھو جب مینہ نہ برسے تو قحط کا اندیشہ ہوتا ہے یہاں تک کہ زمینی پانی جو کنوؤں اور چشموں میں ہوتا ہے وہ بھی کم ہونے لگتا ہے۔ پھر جبکہ دنیوی اور جسمانی ضرورتوں کے لئے آسمانی پانی کی ضرورت ہے تو کیا روحانی اور ابدی ضرورتوں کے لئے روحانی بارش کی ضرورت نہیں؟ اور وہ وحیٔ الٰہی ہے۔ جیسے مینہ کے نہ برسنے سے قحط پڑتا اور کنوئیں اور چشمے خشک ہو جاتے ہیں اسی طرح پر اگر انبیاء و رُسل دُنیا میں نہ آئیں تو فلسفیوں کا وجود بھی نہ ہو کیونکہ قویٰ عقلیہ کا نشوونما وحیٔ الٰہی ہی سے ہوتا ہے اور زمینی عقلیں اس سے پرورش پاتی ہیں۔

پس اِس آیت وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ میں وحیٔ الٰہی کی ضرورت پر عقلی اور فطرتی دلائل پیش کئے ہیں۔ جو شخص اِس امر کو سمجھ لے گا وہ بول اُٹھے گا کہ بیشک وحیٔ الٰہی کی ضرورت ہے اور یہ وہ طریق ہے جو آدم سے چلا آتا ہے اور ہر شخص نے اپنی استعداد اور فطرت کے موافق اس سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ ہاں جو جاہل اور ناقص تھے یا جن میں تکبّر اور خود سَری تھی وہ محروم رہ گئے اور انہوں نے کچھ بھی حصّہ نہ لیا۔ یہی اصل اور سچی بات ہے اور تم یقیناً یاد رکھو کہ آسمانی بارش کی سخت ضرورت ہے اِس لئے کہ

عملی قوت بجز اس بارش کے پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ (الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۴، ۵)

ہم نظامِ جسمانی میں دیکھتے ہیں کہ جسمانی کاشت کار باوجود ہر قسم کی باقاعدہ محنت و مشقت کے بھی پھر آسمانی پانی کا محتاج ہے۔ اور اگر اس کی محنتوں اور کوششوں کے ساتھ آسمانی پانی اس کی فصل پر نہ پڑے تو فصل تباہ اور محنت برباد ہو جاتی ہے۔ پس یہی حال رُوحانی رنگ میں ہے۔ انسان کو خشک ایمان کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ رُوحانی بارش نازل ہو کر بڑے زور کے نشانات سے اس کے اندرونی گند دھو کر اس کو صاف نہ کرے۔ چنانچہ قرآن شریف اسی کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے بارش نازل ہوتی ہے اور قسم ہے زمین کی جس سے شگوفہ نکلتا ہے۔ بعض لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ خدا کو قسم کی کیا ضرورت تھی مگر ایسے لوگ آخر کار اپنی جلد بازی کی وجہ سے ندامت اُٹھاتے ہیں۔ قسم کا مفہوم اصل میں قائم مقام ہوتا ہے شہادت کے۔ ہم دنیوی گورنمنٹ میں بھی دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات مقدمات کے فیصلوں کا حصر ہی قسم پر رکھا جاتا ہے پس اسی طرح سے خدا تعالیٰ بھی بارشِ آسمانی کی قسم کھا کر نظامِ جسمانی کی طرح نظامِ روحانی میں اسی بات کو بطور ایک شہادت کے پیش کرتا ہے کہ جس طرح سے زمین کی سرسبزی اور کھیتوں کا ہرا بھرا ہونا آسمانی بارش پر موقوف ہے اور اگر آسمانی بارش نہ ہو تو زمین پر کوئی سبزی نہیں رہ سکتی اور زمین مُردہ ہو جاتی ہے بلکہ کنوؤں کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے اور دُنیا زیر و زبر ہو کر ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے اور لوگ بھوکے پیاسے مرتے ہیں۔ قحط کی وجہ سے انسان و حیوان اور پھر چرند و پرند اور درند وغیرہ پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے بعینہٖ اسی طرح سے ایک رُوحانی سلسلہ بھی ہے۔

یاد رکھو کہ خشک ایمان بجز آسمانی بارش کے جو مکالمہ مخاطبہ کے رنگ میں نازل ہوتی ہے ہرگز ہرگز باعث نجات یا حقیقی راحت کا نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ روحانی بارش کے بغیر اور کسی مامور من اللہ کے بغیر نجات پا سکتے ہیں اور ان کو کسی مزکّی اور مامور من اللہ کی ضرورت نہیں سب کچھ ان کے پاس موجود ہے اُن کو چاہیئے کہ پانی بھی اپنے گھروں میں ہی پیدا کر لیا کریں اُن کو آسمانی بارش کی کیا اِحتیاج۔ آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ جسمانی چیزوں کا مدار کن چیزوں پر ہے۔ پس اِس سے سمجھ لو کہ بعینہٖ اسی کے مطابق روحانی زندگی کے واسطے بھی لازمی اور لابد اور ضروری ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۴ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ یعنی علمِ معاد میں جس قدر تنازعات اُٹھیں سب کا فیصلہ یہ کتاب کرتی ہے بے سُود اور بیکار نہیں ہے۔ (براہین احمدیہ صفحہ ۲۰۴ حاشیہ)

یہ کلام حکم ہے اور قولِ فصل ہے۔ (الحق لدھیانہ صفحہ ۲۰)

قرآن قولِ فصل ہے جو ہر ایک امر میں سچّا فیصلہ دیتا ہے۔

(جنگِ مقدس صفحہ ۴، ۵)

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف نے پہلی کتابوں اور نبیوں پر احسان کیا ہے جو ان کی تعلیموں کو جو قصّہ کے رنگ میں تھیں علمی رنگ دے دیا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی شخص ان قصّوں اور کہانیوں سے نجات نہیں پا سکتا جب تک وہ قرآن شریف کو نہ پڑھے کیونکہ قرآن شریف ہی کی یہ شان ہے کہ وہ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۱ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۲ء صفحہ ۳، ۴)

سُورۃ الاَعلیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی

فلاح وہ شخص پاوے گا جو اپنے نفس میں پوری پاکیزگی اور تقویٰ طہارت پیدا کرلے اور گناہ اور معاصی کے اِرتکاب کا کبھی بھی اس میں دَورہ نہ ہو اور ترکِ شر اور کسبِ خیر کے دونو مراتب پُورے طور سے یہ شخص طے کرے تب جا کر کہیں اسے فلاح نصیب ہوتی ہے۔ ایمان کوئی آسان سی بات نہیں جبتک انسان مَر ہی نہ جاوے تب تک کہاں ہوسکتا ہے کہ سچّا ایمان حاصل ہو۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۲ مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی صُحُفِ اِبۡرٰهِیۡمَ وَمُوۡسٰی

خدا تعالیٰ جو اَصدق الصّادقین ہے اُس نے اپنی کلام میں صدق کو دو قسم قرار دیا ہے ایک صدق باعتبار ظاہر الاقوال دوسرے صدق باعتبار التاویل والمآل۔ پہلی قسم صدق کی مثال یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ مریم کا بیٹا تھا اور ابراہیم کے دو بیٹے تھے اسمٰعیل اور اسحٰق۔ کیونکہ ظاہر واقعات بغیر تاویل کے یہی ہیں۔ دوسری قسم صدق کی مثال یہ ہے کہ جیسے قرآن شریف میں کفّار یا گذشتہ مومنوں کے کلمات کچھ تصرف کرکے بیان فرمائے گئے ہیں اور پھر کہا گیا کہ یہ اُنہی کے کلمات ہیں۔ اور یا جو قصّے توریت کے ذکر کئے گئے ہیں اور اُن میں بہت سا تصرّف ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس اعجازی طرز اور طریق اور فصیح فقروں اور دلچسپ

استعارات میں قرآنی عبارات ہیں اس قسم کے فصیح فقرے کافروں کے مُنہ سے ہرگز نہیں نکلے تھے اور نہ یہ ترتیب تھی بلکہ یہ ترتیب قصّوں کی جو قرآن میں ہے توریت میں بھی بالالتزام ہرگز نہیں ہے حالانکہ فرمایا ہے اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی اور اگر یہ کلمات اپنی صورت اور ترتیب اور صیغوں کے رُو سے وہی ہیں جو مثلاً کافروں کے مُنہ سے نکلے تھے تو اس سے اعجازِ قرآنی باطل ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں وہ فصاحت کفّار کی ہوئی نہ شانِ قرآن کی۔ اور اگر وہی نہیں تو بقول تمہارے کذب لازم آتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے تو اَور اَور لفظ اَور اَور ترتیب اَور اَور صیغے اختیار کئے تھے اور جس طرح مُتَوَفِّیْكَ اور تَوَفَّیْتَنِیْ دو مختلف صیغے ہیں اِسی طرح صدہا جگہ ان کے صیغے اور قرآنی صیغے باہم اختلاف رکھتے تھے۔ مثلاً توریت میں ایک قصّۂ یوسف ہے نکال کر دیکھ لو اور پھر قرآن شریف کے سورہ یوسف سے اس کا مقابلہ کرو تو دیکھو کہ کس قدر صیغوں میں اختلاف اور بیان میں کمی بیشی ہے بلکہ بعض جگہ بظاہر معنوں میں بھی اختلاف ہے ایسا ہی قرآن نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم کا باپ آزر تھا لیکن اکثر مفسّر لکھتے ہیں کہ اس کا باپ کوئی اَور تھا نہ آزر۔ (تحفہ غزنویہ صفحہ ۳۷، ۳۸)

..... شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی اُمّت کیلئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت ہو گیا۔ پس اِس تعریف کے رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰی لَهُمْ۔ یہ براہینِ احمدیہ میں درج ہے۔ اِس میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ اور اس پر تئیس برس کی مدّت بھی گذر گئی اور ایسا ہی اَب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو وہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی۔ یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں باستیفاء امر اور نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستیفاء احکامِ شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتہ اندیشیاں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربّانی کتابوں کا خاتم ہے تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے نفس پر یہ حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی اَور مامور کے ذریعہ سے یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا بیانِ شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔

(اَربعین نمبر ۴ صفحہ ۶، ۷)